مولانا سید اسعد مدنی

(۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء-۶/فروری ۲۰۰۶ء)

ہم عمرو ہم جماعت ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں، اسعد میاں بھی کامل تین ماہ کی مایوس کن علالت کے دن پورے کر کے ۶/محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۶/فروری ۲۰۰۶ء کو اسی رواں دواں قافلے کا فرد بن گئے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم پیچھے رہ جانے والوں کو بھی اپنے وقت پر اس مغفرت ورحمت کا شریک بنائے۔ صحیح تاریخ اور مہینہ تو یاد نہیں البتہ ۱۹۴۴ء وثوق سے یاد ہے جو ہجری ۱۳۶۳ھ کے متوازی تھا اور مہینہ از روئے قیاس شوال کا ہونا چاہئے (جو انگریزی مہینہ اکتوبر کے مطابق بنتا ہے) کہ اپنا داخلہ دیوبند میں ہوا۔ کتابیں جو ملیں ان میں ایک ''مختصر المعانی'' تھی (وہ زمانہ طلبہ کی درجہ بندی کا نہیں تھا۔ کتابوں کی درجہ بندی تھی کہ کون کون سی کتابیں کس استعداد کے طالب علم کو ایک سال میں پڑھائی جائیں)۔ مختصر المعانی کے استاد تھے حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، بڑے پرانے اور مانے ہوئے استادوں میں سے تھے۔ کتاب کی جماعت کافی بڑی تھی، اچھی وسیع درس گاہ بھی بھری ہوئی۔ اسی جماعت میں اسعد میاں بھی تھے۔ میں وہاں تو کسی کو بھی نہیں جانتا تھا، نو وارد تھا۔ انھیں پتہ نہیں کیوں کر میری طرف التفاف ہوا۔ خیال آتا ہے کہ جیسے پہلے ہی دن سے مہربان ہو گئے۔ میرے لیے بھی یہ التفات قدرتی طور سے باعثِ اُنس بنا اور پھر یہ ایک درجہ دوستی میں بدل گیا، جس کے ابتدائی چار سال تو دارالعلوم دیوبند کے احاطہ ہی میں بیتے۔

مجھے شہادت دینی چاہئے، داد دینی چاہئے کہ اسعد میاں اگرچہ اُس ہستی کے فرزند ہی نہ تھے جس کے آگے زانوئے ادب طے کرنے کی سعادت اپنے لیے ہمیشہ سرمایۂ فخر رہی ہے، بلکہ خود بھی درجہ ومراتب کی بلندیاں طے کرتے کرتے فخرِ خاندان بنے، مگر وہ تعلق جو دارالعلوم کی طالب علمی میں انھوں نے قائم کیا تھا، اس میں آخر دم تک کبھی فرق دیکھنے میں نہ آیا! بعض وقت دوستانہ بے

تکلفی کا کچھ ایسا بے جا استعمال بھی مجھ سے ہوگیا کہ ڈر لگا، بُرا نہ مان گئے ہوں۔ مگر نہیں، وضع داری میں ذرا جو فرق آیا ہو۔ میں تیس برس سے لندن میں ہوں، مرحوم کہ سراپا حرکت تھے، سال میں ایک دورہ ادھر کا بھی عرصہ سے ہونے لگا تھا۔ اسی کی بدولت ملنے جلنے کی صورت بآسانی بنتی رہی اور جس وضع داری کی بات کر رہاں ہوں وہ اس ضمن میں یہ تھی کہ جب تک لیبیا والے سفری حادثہ سے پیدا ہونے والی مجبوری حائل نہ ہوگئی، مشکل ہی سے مجھے اپنی قیام گاہ پہ آنے کا موقع کبھی دیا، ورنہ اپنے ایک ایک منٹ کے مصروف پروگرام میں سے وقت نکال کے خود ہی خانۂ خراب پہ آنا اور لازماً آنا۔ شاذ و نادر ہی کبھی ایسا ہوا کہ بغیر ملے لوٹ گئے ہوں۔

یہ تین مہینے کی آخری علالت کا سلسلہ جس دن شروع ہوا، میں اتفاق سے اس کے دوسرے ہی دن دلّی پہنچا تھا اور آخری ہفتہ کو چھوڑ کر یہ پورا عرصہ انڈیا ہی میں گزرا۔ دو دفعہ اپولو اسپتال بھی جانا ہوا، جہاں مرحوم زیر علاج تھے۔ مگر جس بے ہوشی کی حال میں اسپتال لائے گئے تھے، اس نے ساتھ آخر تک نہ چھوڑا کہ نام ہی کو سہی ملاقات ہوسکتی۔ اب سراپا حرکت سراپا سکون تھا۔ پس آخری ملاقات وہی رہ گئی جو تقریباً دو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں دلّی پہنچا تھا، پتہ چلا کہ اسعد میاں حج میں گئے تھے، وہاں سے بہت علیل ہو کے لوٹے ہیں۔ طوفانِ باد و باراں کی جو آزمائش اس سال حجاج کو پیش آئی تھی، موصوف بھی اس کی زد میں آئے۔ یا اللہ معذوری کا وہ حال کہ بمشکل پاؤں اُٹھا پاتے ہیں اور حج کے اژدہام میں جا پہنچے! کئی باتیں جو بہت شروع سے واضح کردی گئی تھیں کہ وہ اپنے حضرت والدِ ماجد علیہ الرحمہ کے خلف الصدق ہیں، ان میں سے ایک ان تھک حرکت وجد و جہد بھی تھی۔ مگر اس حج کی خبر نے بتایا کہ وراثت کی مقدار پر قانع نہیں رہے، اُسے دو چند کیا ہے۔ عیادت کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ طبیعت بہتر ہے، ڈاکٹر کی اجازت سے چند دن کے لیے دیوبند چلے گئے ہیں۔ بہر حال واپس آئے۔ جمعیۃ کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیکھ کے فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس جھٹکے سے بظاہر نکل گئے۔ میں نے کہا بس! بہت خدمتِ ملک و ملّت ہوگئی، اب خدا کے لیے اپنے اُوپر رحم کریں۔ کچھ آرام کرلیں۔ کہنے لگے، اب آرام کیا کرنا؟ ۸۰/برس پورے ہونے جا رہے ہیں۔ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ کی میری پیدائش ہے۔ لیجیے معلوم ہوا کہ سالِ پیدائش ہم

دونوں کا ایک ہے، بس مہینوں کا آگا پیچھا ہے۔

انتھک مزاج کی روایت کے ساتھ حوصلہ مندی کا ایک وصف بھی بھرپور پایا ہوا تھا، جسے کہنا چاہیے کہ اُن کا اپنا تھا۔ اس وصف کی ایک نشانی جمعیۃ علمائے ہند کا موجودہ پُرشکوہ دفتر واقع نئی دہلی ہے۔ جن لوگوں نے جمعیۃ کا قدیم دفتر پرانی دتی کی گلی قاسم جان والا دیکھا ہوگا۔ وہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس درجہ کی حوصلہ مند فطرت لے کے اسعد میاں آئے تھے۔ حوصلہ مندی عزم واستقامت بھی چاہتی ہے۔ ماشاءاللہ اس سے بھی وہ ایسے بھرپور تھے کہ دینی میدان ہو یا سیاسی، تنِ تنہا ہی اپنی سوچ اور اپنے اہداف کے لیے راہیں استوار کرنے میں کبھی ادھر اُدھر دیکھتے اور تنگ دلی کا شکار ہوتے نظر نہیں آئے اور بالعموم اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے کہ حریف ان سے بازی لے جاتے ہوئے نظر نہ آئے۔ ایک اور چیز جس میں شاید ہی ان کا حریف ہونے کی ہمت وقت کے میدانی لوگوں میں سے کوئی کر سکا ہو، کشادہ دستی ومہمان نوازی تھی۔ مٹھی کبھی بند ہوکے نہیں رہی اور دسترخوان کبھی سمٹا نہیں اور یہ چیز بھی انھیں اپنے والدِ والا تبار حضرت مدنیؒ سے وراثت میں ملی تھی۔ دعا ہے کہ حضرتؒ کے مثالی ورثہ کی بہتر سے بہتر حفاظت کا سلسلہ اس خاندان میں سدا جاری رہے۔

(ماہنامہ 'الفرقان'، مارچ ۲۰۰۶ء)

❑❑❑